اسلامی بینکاری میں رائج وعدہ۔۔۔شرعی حیثیت

سلمان احمد خان*

اسلامی بینکاری پر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلامی بینک اجارہ (Lease) کے تحت اپنے کلائنٹ سے اجارہ کی مدت کے اختتام پر گاڑی وغیرہ خریدنے کا جو وعدہ لیتے ہیں وہ دراصل شرط کی حیثیت رکھتا ہے اور ''صفقتۃٌ فی صفقتہٍ'' کے تحت آکر ناجائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اجارہ اسلامی بینکاری پر سوال کیا جاتا ہے کہ اجارہ میں مؤجر (Lessor) اور مستأجر (Lessee) کا مقصد کیا ہے؟ آیا اسکا مقصد محض کرایہ داری کا معاملہ کرنا ہے یا پھر وہ چیز (commodity) جو کرایہ کے نام پر لی گئی ہے، مثلاً کار وغیرہ خریدنا اور مؤجر (lessor) سے مستأجر (lessee) کی ملکیت میں منتقل کرنا ہے؟ اگر فریقین کا بنیادی مقصد کرایہ داری کا معاملہ کرنا ہے تو پھر تو مروجہ اجارہ اس بات کے قابل ہے کہ اسے عام اجارہ کے قوانین، احکام وآداب کی روشنی میں دیکھا جائے اور اجارہ کے صحیح اور غلط ہونے کا مدار، اجارہ کے ارکان اور شرائط کی موجودگی اور عدم موجودگی پر رکھا جائے۔ لیکن اگر بنیادی مقصد کرایہ داری نہ ہو بلکہ اجارہ پر دی جانے والی چیز کی ملکیت منتقل کرنا ہو تو یہ معاملہ ''بیع'' کہلانے کا مستحق ہے نہ کہ ''اجارہ''۔ اس لئے کہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ:

''الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا'' (۱)

''تمام کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے۔''

اور کیونکہ یہاں پر اجارہ کا اصل مقصد ''بیع'' ہے لہٰذا یہاں پر بیع ہی کو موضوعِ بحث اور حکم کا محل قرار دیا جائے گا۔ اور مروجہ اجارہ درحقیقت مطلوبہ مال ہی کی خرید وفروخت کا نام ہے۔

عُرف سے تائید:

مذکورہ اعتراض کرنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ اس بات کی تائید اجارہ کا معاملہ کرنے والوں کے عُرف سے بھی ہوتی ہے۔ چناچہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بینک سے گاڑی یا مکان کرایہ (Lease) پر لیے ہیں، بلکہ انکا یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہم نے کرایہ پر مکان یا گاڑی خریدی ہے۔ معلوم ہوا کہ مروجہ اجارہ میں مطلوبہ مال کی خریداری کو حقیقۃً وعملاً اجارہ پر موقوف ومنحصر رکھا گیا ہے۔ حالانکہ آپؐ نے ''بیع'' اور ''شرط'' سے منع فرمایا ہے اور ایک ہی عقد میں دو معاملوں کو ملانے اور جمع کرنے سے روکا ہے۔ جبکہ یہاں پر دونوں معاملے (ابتداءً اجارہ اور نتیجۃً بیع) کو درست تسلیم کرنا آپؐ کی حدیث مبارکہ کی صریح خلاف ورزی

ہے۔ چناچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

"نَهىٰ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ وَاحِدَةٍ" (۲)

''آپؐ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔''

ایک اصولی بات:

یہاں پر ایک اصولی بات ضرور مدنظر رکھ لینی چاہئے کہ جامع ترمذی میں اس حدیث مبارکہ کے تحت امام شافعیؒ کا اِس بیع کی تعریف کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"اَن يقول ابيعكَ داری هذه بِكذا علىٰ اَن تبيعنی غلامكَ بِكذا فاذا وَجب لی غُلامك وَجبت لك دارِی" (۳)

''کوئی شخص ایسے کہے کہ میں تجھے اتنی رقم میں اپنا یہ گھر فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے اپنا غلام اتنی رقم میں فروخت کر! لہٰذا جب میں تیرے غلام کا مالک بن جاؤں گا تو تُو میرے گھر کا مالک بن جائیگا۔''

امام شافعیؒ کی اس تعریف سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک سودے کو مکمل طور پر دوسرے سودے پر ایسے موقوف کر دیا جائے کہ پہلے کا وجود دوسرے کی تکمیل کے بغیر پایا ہی نہ جائے تو یہ "بيعةٌ فی بيعةٍ" کا مصداق بنے گا ورنہ نہیں۔ چنانچہ اجارہ اسلامی بینکاری پر یہ اعتراض کرتے ہوئے کہ وہ بیک وقت دو سودوں کا اجتماع ہے جو ایک دوسرے پر موقوف ہیں، یہ تعریف بھی مدنظر رکھنا ہوگی اور دیکھنا ہوگا کہ وہ سودے ایک دوسرے پر کس حد تک موقوف ہیں؟ اور کیا انکا وجود ایک دوسرے کے بغیر پایا ہی نہیں جاتا؟

اجارہ بینکاری پر ایک آزمائشی سوال:

ناقدین حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر اسلامی بینکار یہ فرمائیں کہ اصل مقصد اجارہ ہی ہے اور اسے روایتی لیزنگ (Leasing) کے متبادل کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے تو پھر انہیں چاہئے کہ متبادل شرعی اجارہ کی ایک واقعی مثال پیش کریں کہ جس میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ جن لوگوں نے ہمارے بینکوں سے اجارہ پر مکان یا گاڑی لے رکھی ہے وہ سب حضرات اجارہ کی مدت پوری ہوتے ہی بینک کا مکان اور گاڑی فوراً واپس کر دیں اور بینک اپنی یہ ساری املاک واپس حاصل کر لے۔ اگر بینک ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ اس کے بجائے ''سیکورٹی ڈپازٹ'' کے بدلے اپنی گاڑی یا مکان کرایہ دار کے سپرد کرے تو یہ اجارہ نہیں بلکہ مالی تبادلہ (Sale) کہلائے گا۔ اور یہ وہ بیع ہوگی جو طویل عرصہ تک اجارہ کی قسطیں پوری ہونے کے انتظار پر موقوف تھی، جو ''بیع وشرط'' جیسی حدیثوں کے خلاف ہے۔ اس لئے اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ درحقیقت ''بیع'' ہے چنانچہ اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ (۴)

مذکورہ اعتراض کا تجزیہ:

راقم کے نزدیک مذکورہ اعتراض کے اندر اسلامی بینکوں کی آزمائش کیلئے بتایا گیا طریقہ درست نہیں ہے۔ ایک تو

اس وجہ سے کہ کسی بھی فرد یا ادارے کو آزمانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسکے تمام کاروبار کو اسکی مروجہ صورت سے یکسر مخالف سمت میں موڑ دیا جائے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک جائز کام سے دوسرے جائز کام کی طرف کلی طور پر منتقل ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ دوسرے جائز کام کا تحمل نہ کر پانا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اسلامی بینکوں کو یہ کہنا کہ آپ اعلان کر دیں کہ تمام لوگ مدتِ اجارہ کے اختتام پر اپنی گاڑیاں واپس کر دیں، ایک غیر منطقی بات ہے۔ نہ تو اس میں بینک کو کوئی فائدہ ہے (سوائے اسکے کہ اُس پر ایک غیر ضروری آزمائش ڈال دی جائے) اور نہ ہی اس کلائنٹ کو جو بینک سے گاڑی خریدنا چاہتا ہے۔ سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر کوئی کلائنٹ اپنی گاڑی اجارہ کے اختتام پر بینک کو واپس کرنا چاہے تو کیا بینک وہ گاڑی واپس لے لیتا ہے؟ اور اگر بینک، مدتِ اجارہ کے اختتام پر کلائنٹ سے گاڑی واپس لینا چاہے تو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ اگر یہ دونوں صورتیں یا ان میں سے کوئی ایک صورت بھی نافذ العمل نہ ہو سکے تو اس سے لازم آئے گا کہ یہ بیع و اجارہ ایک دوسرے پر موقوف تھے۔ اور ایک دوسرے پر موقوف ہونیکی دلیل یہ ہوگی کہ اجارہ کے اختتام پر کلائنٹ کیلئے گاڑی کو خریدنا لازمی ہوگا، اگرچہ اِس خریداری کا ذکر اجارہ کے معاہدے میں نہ بھی کیا گیا ہو۔ لہٰذا یہ صورت آپ کی حدیث مبارکہ کے خلاف ہوگی۔ چنانچہ یحیٰ بن مالک فرماتے ہیں:

"نَهیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ" (۵)

''آپؐ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔''

راقم کے خیال میں اصل اعتراض یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اجارہ کے اختتام پر گاڑی کیوں بیچی گئی؟ بلکہ سوال یہ ہونا چاہئے کہ کیا گاڑی شرعی طریقے کے مطابق بیچی گئی یا اسکے خلاف۔ اسلامی بینکاری کے شرعی ماہرین کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ پہلے صرف اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے اور اسکے بعد کلائنٹ کو اثاثہ واپس کرنے یا ایک متعین قیمت پر خرید لینے کا اختیار ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''..... تیسری صورت یہ ہے کہ اجارہ مقررہ مدت پر ختم ہو۔ ایسی صورت میں اجارہ مکمل ہونے کے بعد دونوں فریق آزاد ہوتے ہیں۔ اس مرحلے پر بینک اس اثاثے کا مالک ہوتا ہے اور کلائنٹ کا اس اثاثے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ایسے موقع پر بعض مرتبہ کلائنٹ وہ اثاثہ بینک کو واپس کر کے اس سے مکمل طور پر الگ ہو جاتا ہے، اور سیکیورٹی ڈیپازٹ کی رقم واپس لے لیتا ہے۔ اور اگر کسٹمر گاڑی رکھنا چاہے تو عام طور پر بینک اُسے اُس کے سیکیورٹی ڈپازٹ کے عوض گاڑی فروخت کر دیتا ہے.... ''(۶)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''پہلے صرف اور صرف اجارہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد کلائنٹ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ گاڑی واپس کرنا چاہے تو واپس کرے اور خریدنا چاہے تو ایک متعین قیمت پر خرید لے۔''(۷)

اگر عاقدین میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔(۸) اور اسلامی بینکاری میں بھی اسے مزید آگے نہیں بڑھایا جاتا۔اس لئے کہ کسی چیز کے منافع پر جب اجارہ کیا جاتا ہے تو وہ تھوڑی تھوڑی مخصوص مدت کیلئے ہوتا ہے،چناچہ جب متعاقدین میں سے کسی کا انتقال ہوا تو اس اجارہ کو مزید جاری رکھنے کا سبب ختم ہو گیا،اور وہ سبب احد المتعاقدین کی ذات تھی۔

دو مشروط معاملات اور اجارہ:

اس بات کی اہمیت کو اسلامی بینکاری کے حامی فقہاء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی اجارہ بینکاری میں دو معاملات یعنی اجارہ اور بیع آپس میں مشروط نہیں ہونے چاہئیں۔چناچہ ایم۔عُمر چھاپڑا اور طارق اللہ خان بعض فقہاء کرام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"....Fourthly,the lease contract should be separate from,and independent of,the contract for the purchase of the residual asset.The residual value has to be market related and cannot be fixed in advance.The purchase contract has,therefore,to be optional and not a condition for the lease contract because the quality of the asset at the end of the lease period as well as its market related price,two of the essentional requirements for a valid contract,are unknown when the lease contract is signe."(9)

چوتھے نمبر پر(یہ بات مدنظر رہے کہ)اجارے کا معاہدہ،باقی ماندہ اثاثے کی خریداری کے معاہدے سے جداگانہ اور آزادانہ طور پر ہونا چاہیے۔اثاثے کی باقی ماندہ قیمت بازاری قیمت(Market value)کے حساب سے ہونی چاہیے ،نہ یہ کہ اسے شروع میں ہی طے کرلیا جائے۔اسی (غیر مشروط معاملے کی) وجہ سے خریداری کا معاہدہ اختیاری ہونا چاہیے اور اسے کرایہ داری (اجارہ) کے معاملے کیلئے لازمی قرار نہیں دینا چاہیے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اجارہ کی مدت کے اختتام پر دو چیزیں:اُس اثاثے کی عمدگی اور بازاری قیمت،اس وقت معلوم نہیں ہوتیں جب اجارہ کا معاہدہ تیار کیا جاتا ہے۔حالانکہ یہ دو ایسی ضروری چیزیں ہیں جو ایک معتبر معاہدے کیلئے معلوم ہونا ضروری ہیں۔

دلائل کا تجزیہ:

ان دونوں حضرات کے نقطۂ نظر سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت اجارہ کا معاہدہ کیا جاتا ہے اگر اسی وقت اس

کی آئندہ فروخت کی قیمت بھی مقرر کر دی جائے تو وہ درست نہیں ہوگی۔ اور اسکی دو وجوہات ہیں: پہلی وجہ تو یہ کہ اس وقت یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ آخر میں اس اثاثے کی کیا قیمت ہوگی جس پر اسے بیچا جائے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ قیمت پہلے ہی سے مقرر کرنے کی صورت میں گویا کہ بیع کو بھی اجارہ کے درمیان میں لایا جا رہا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ معاہدہ لازم کرنے کی صورت میں فریقین میں سے کسی ایک کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ان دونوں حضرات کی یہ بات درست ہے کہ اجارہ کے معاملے کیساتھ بیع کا معاملہ لازمی نہیں ہونا چاہئے۔ اور اسکی تین وجوہات ہیں: ایک تو ضرر کا اندیشہ، دوسرا نزاع کا خطرہ اور تیسرا اس حدیث کی مخالفت کہ جس میں بیک وقت دو سودوں سے منع کیا گیا ہے۔ (۱۰) اور حدیث میں ممانعت بھی ضرر کو روکنے اور نزاع سے بچنے کیلئے ہے۔ دراصل یہاں پر ان دونوں حضرات نے دو چیزیں ایک ساتھ ذکر کی ہیں:

۱۔ بیع کا معاملہ اجارہ کے معاملے کے ساتھ مشروط نہیں ہونا چاہئے۔

۲۔ اثاثے کی قیمت اجارہ شروع کرتے وقت مقرر نہیں کرنی چاہئے بلکہ جس وقت اجارہ کے اختتام پر اس اثاثے کو بیچا جا رہا ہو تب بازاری قیمت کے حساب سے اسکو بیچنا چاہئے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیع کا معاملہ اجارہ کے ساتھ مشروط نہیں ہونا چاہئے تو اس کے بارے میں تفصیلی بحث آئندہ عبارت میں آ رہی ہے۔ البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اثاثے کی قیمت اجارہ شروع کرتے وقت مقرر نہیں کرنی چاہئے تو اسکے بارے میں یہیں پر بحث کر لینا مناسب ہے۔

اسلامی بینکوں میں مروجہ صورتحال:

اسلامی بینکوں میں عام طور پر جو پریکٹس (Practice) چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ کلائنٹ نے جو رقم بطور سیکیورٹی ڈپازٹ کے رکھوائی ہوتی ہے اسی کے بدلے میں کلائنٹ کو اجارہ کے اختتام پر گاڑی بیچ دی جاتی ہے۔ سیکیورٹی ڈپازٹ کے طور پر رکھوائی جانے والی رقم بھی مختلف ہوتی ہے۔ کلائنٹ جتنی زیادہ رقم رکھوائے گا، بینک اتنا ہی نفع کم رکھے گا۔ اور اسکی وجہ یہ ہوگی کہ بینک کا پیسہ بھی کم استعمال ہو رہا ہوگا۔ چنانچہ دونوں صورتوں میں عملی طور پر بینک کا نفع تقریباً ایک جیسا ہی ہوگا۔ اسی طرح کلائنٹ جتنی زیادہ مدت کا اجارہ کریگا، بینک کا نفع بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اور اسکی وجہ واضح ہے کہ بینک کا پیسہ زیادہ مدت کیلئے استعمال ہوا۔ بہر حال، اجارہ کے اختتام پر دو صورتیں ممکن ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ اجارہ کے اختتام پر کلائنٹ، گاڑی بینک کو واپس کر دے اور اپنی سیکیورٹی ڈپازٹ کی رقم واپس حاصل کر لے۔ اس صورت پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، اسلئے کہ اس صورت میں عقدِ بیع وجود میں ہی نہیں آیا۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ اجارہ کے اختتام پر کلائنٹ بینک سے سیکیورٹی ڈپازٹ کے عوض گاڑی خرید لے، یہی صورت اکثر عملی طور پر عمل (Practice) میں بھی ہے۔

اس صورت کی عملی طور پر مزید کئی شکلیں بن سکتی ہیں:

۱۔ کلائنٹ نے جتنی رقم سیکورٹی کے طور پر جمع کروائی ہے، اجارہ کے اختتام پر گاڑی کی مارکیٹ ویلیو بھی اتنی ہی ہو۔ یہ صورت یقینی طور پر جائز ہے۔ اس لئے کہ بیع، کار کی حقیقی قیمت پر ہو رہی ہے۔

۲۔ کار کی مارکیٹ ویلیو اور ڈپازٹ کی رقم میں معمولی فرق ہو۔ مثلاً ڈپازٹ کی رقم ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور کار کی مارکیٹ میں قیمت ایک لاکھ تیس ہزار یا ایک لاکھ دس ہزار ہے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔ اسلئے کہ کار کو اگرچہ مارکیٹ ریٹ پر نہیں بیچا گیا لیکن اسکے قریبی ریٹ پر بیچا گیا اور اسطرح کی چیزوں کی خرید و فروخت میں عام طور پر اسقدر کمی بیشی گوارا کر لی جاتی ہے۔

۳۔ کار کی مارکیٹ ویلیو اور ڈپازٹ کی رقم میں غیر معمولی فرق ہو۔ مثلاً ڈپازٹ کی رقم ایک لاکھ بیس ہزار ہے اور کار کی مارکیٹ میں قیمت ستر ہزار یا ایک لاکھ ستر ہزار ہے۔ اور قیمتوں کا یہ فرق ممکن ہے۔ یا تو کلائنٹ نے گاڑی بہت احتیاط سے استعمال کی؛ یا بہت لاپرواہی سے استعمال کی؛ یا ایکسیڈنٹ کرا لیا؛ یا بازار میں اس ماڈل کی قیمت کم و بیش ہوگئی وغیرہ۔

اب یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا اس کار یا مشینری کو مارکیٹ ریٹ سے کم میں بیچنا مناسب ہے؟ اسلامی بینکاری کے ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ ہم شروع میں ہی اُس اثاثے کی فرسودگی (Depreciation) کا اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آخر میں مثلاً اس کار کی کیا قیمت ہوگی جو اجارہ پر دی گئی ہے، لہٰذا آخر میں اس متعین قیمت پر بیچنا درست ہو جائیگا، اور ہمارا قیمت لگانا تقریبی ہوتا ہے چنانچہ اس میں جھگڑے اور ضرر کا احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ راقم کی طالب علمانہ رائے میں اس تیسری صورت میں ضرر کا احتمال ہے، اسلئے کہ اس صورت میں یا تو کلائنٹ کو پچاس ہزار کا نقصان برداشت کرنا پڑیگا یا پھر بینک کو۔ اور بینک کے توسط سے کھاتہ داروں کو بھی یہ نقصان برداشت کرنا پڑیگا، اگرچہ بینک یہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنا نفع پہلے ہی حاصل کر لیا ہے، لیکن کیونکہ بیع کا یہ معاملہ علیحدہ سے ہو رہا ہے اور گذشتہ اجارے سے اس کا کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہونا چاہئے اسلئے جب بینک نے گاڑی کو ایک تخمینی یا فرضی قیمت پر فروخت کیا تو کھاتہ داروں اور بینک کا نقصان ہوا اور یہ بھی ضرر ہے جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے۔ کلائنٹ تو اس ممکنہ نقصان سے اس طرح بچ سکتا ہے کہ اگر گاڑی مثلاً ستر ہزار کی ہو چکی ہے تو وہ اپنے جمع کروائے گئے ایک لاکھ بیس ہزار ہی واپس لے گا۔ لیکن بینک اور اسکے کھاتہ دار اس نقصان سے نہیں بچ سکتے۔ چنانچہ اگر گاڑی کی مارکیٹ ویلیو ایک لاکھ ستر ہزار ہے تو کلائنٹ یقینی طور پر گاڑی ہی وصول کرے گا۔

اسلامی بینکوں کی یہ بات بجا ہے کہ وہ اپنا مطلوبہ نفع اجارہ کے دوران ہی حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ انہیں مزید نفع نہ بھی حاصل ہو تو اسکی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اِس مذکورہ صورت میں سودے کی ایک مصنوعی شکل پیدا

ہورہی ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔یعنی اثاثے کی حقیقی قیمت سے بہت زیادہ کم وبیش میں اسے بیچا جارہا ہے۔اور کیونکہ اسلامی بینکوں کا کاروبار ہی یہ ہے، لہٰذا اس صورت کو بطور ایک نظام کے مستقل طور پر اپنانے سے گریز کرنا ہوگا۔اور اس صورت میں اسلامی بینکوں پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی ایسا کلائنٹ آئے جس نے ان سے اجارے کا معاملہ نہ کیا ہو تو کیا وہ اُسے بھی اِسی قیمت پر یہ چیز بیچ سکتے ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔اور اس نفی سے، آخر میں ہونے والی بیع کا ایک مضبوط تعلق پہلے ہو چکے اجارہ سے ثابت ہوتا ہے۔وہ ایسے کہ اس بیع سے پہلے اگر اجارہ کا معاملہ نہ ہو چکا ہوتا تو کلائنٹ کو وہ چیز اتنی کم قیمت پر نہ ملتی۔اور یہاں پر ایک سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ اگر گاڑی کو مصنوعی یا تخمینی قیمت پر بیچنا جائز ہے تو اُس قیمت کی کم سے کم کوئی حد باقی نہیں رہ سکتی۔مثلاً وہی گاڑی پھر پچاس ہزار کی بھی بیچی جاسکتی ہے اور پانچ ہزار کی بھی، بلکہ اسی گاڑی کو چند روپوں میں بھی بیچا جاسکتا ہے۔جبکہ یہ تمام صورتیں کسی طرح بھی مناسب نہیں ہیں۔جو حضرات ہدیہ والی صورت کو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک تو یہ صورت یقیناً درست ہے، کیونکہ جب گاڑی مفت میں دینا جائز ہے تو کم قیمت پر بھی دینا جائز ہوگا۔لیکن راقم کی رائے میں کیونکہ ہدیہ والی صورت درست نہیں، اسلئے گاڑی کو ادارتی سطح پر مارکیٹ ریٹ سے بہت کم قیمت پر بیچنا بھی درست نہ ہوگا۔اب اِس معاملے میں اگر چہ ''صفقة فی صفقة'' کی صورت تو نہیں پائی جارہی، مگر اس سے مشابہت ضرور پیدا ہورہی ہے۔اور آپ ﷺ نے مشتبہ امور سے بچنے کا حکم فرمایا۔(۱۱)

مشتبہ امور میں مجتہد کیلئے ترجیح کے اصول:

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"وأما اذا وقع الاشتباه لمجتهدٍ، فلا يخلو، أما ان يقع بسبب عدم اجتهاده فی خصوص تلك المسئلة،فحكمه فی تلك المسئلةِ حكم العامی،و أما أن يقع بسبب تعارض الادلة،وعدم رجحانِ بعضها علىٰ بعضٍ،فالتوقی واجب عليه أيضاً،لأن المحرم راجح علىٰ المبيح عند أستواء الأدلة، وأما أن يقع بسبب تعارض الأدلة مع ترجيح الأباحة علىٰ التحريم، فحينئذٍ يكون التوقی مستحباً" (۱۲)

''اور جب اشتباہ کسی مجتہد کو ہو تو یا تو وہ اشتباہ اُس خاص مسئلے میں اُس مجتہد کے اجتہاد نہ کرنےکی وجہ سے ہوگا، تو ایسی صورت میں اس کا حکم اس مسئلہ میں ایک عام آدمی کا ہوگا۔اور یا پھر وہ اشتباہ، دلائل کے آپس میں تعارض کی وجہ سے اور ایک دلیل کو دوسری پر ترجیح نہ دے پانے کی وجہ سے ہوگا، اس صورت میں بھی اس مجتہد کیلئے مشتبہ صورت سے بچنا واجب ہے، اس لئے کہ دلائل کے برابر ہونے پر حرمت والی صورت کو اباحت والی صورت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔اور یا وہ اشتباہ دلائل کے تعارض، اور پھر ان میں سے اباحت کو ترجیح دینے کی وجہ سے ہوگا، اِس صورت میں مشتبہ صورت سے بچنا مستحب ہے۔''

مذکورہ بالاصورت کاتعلق کیونکہ اجتہاد سے ہے کہ آیا یہ صورت 'صفقۃ فی صفقۃ' کے تحت تو نہیں آجاتی؟اس لئے اگر اس میں آخری درجہ بھی لیا جائے تو وہ استحباب کا ہے۔یعنی اگر اس صورت میں اباحت کی ترجیح کو بھی اختیار کیا گیا ہے تو بھی اس سے بچنا کم از کم مستحب ضرور ہے۔خاص طور پر اس صورت میں کہ اسکا حل بھی فراہم کر دیا جائے۔اور یہ استحباب تو ان فقہاء کیلئے ہے کہ جو اسے جائز کہتے ہیں، ورنہ دوسرے بعض فقہاء اسے 'صفقۃ فی صفقۃ' میں داخل سمجھتے ہیں اور اس صورت سے بچنے کو واجب سمجھتے ہیں۔چنانچہ بندہ محض ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ رائے دینا چاہتا ہے کہ اختلاف سے بچنے کیلئے اس صورت سے احتراز کرنا بہتر ہے۔خاص طور پر اس صورت میں کہ اسکا حل بھی فراہم کر دیا جائے۔

ایک تجویز:

راقم کے خیال میں فی الوقت اس کا یہ حل ہو سکتا ہے کہ بینک اپنے کلائنٹ پر واضح کر دے کہ اگر جمع کرائی گئی رقم (Security Deposit) اور کار کی بازاری قیمت (Market VAlue) میں فرق بہت زیادہ ہوا تو کلائنٹ کو وہ فرق ادا کرنا ہوگا۔اور فرق کے بہت زیادہ ہونے کا اندازہ عُرف سے لگایا جا سکتا ہے۔یا پھر بینک کے قوانین میں فرق بہت زیادہ ہونے کی ایک حد بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔مثلاً بہت زیادہ فرق کی ابتداء تیس یا پینتیس ہزار سے ہوگی۔لیکن بہرحال اس میں عُرف کو مدنظر رکھنا ہوگا۔لیکن اس تجویز کا یہ مقصد نہیں ہے کہ بینک سارا فرق وصول کر لے گا، بلکہ بینک اُس فرق کو وہاں سے وصول کریگا جہاں سے اُس فرق کی زیادتی کی ابتدا ہو رہی ہے۔مثلاً اگر بیس ہزار کا فرق ایک اثاثے کی خریداری میں قابلِ برداشت شمار ہوتا ہے اور کل فرق پچاس ہزار کا پڑ رہا ہے تو اس صورت میں بینک بیس ہزار نکال کر بقیہ فرق یعنی تیس ہزار کلائنٹ سے وصول کر لیگا۔اس لئے کہ بیس ہزار تک کی کمی بیشی تو عرف میں جاری ہے چنانچہ اس بیس ہزار کو وصول نہ کرنا بھی جائز ہوگا۔اور بقیہ تیس ہزار کلائنٹ سے وصول کر لئے جائینگے۔

چنانچہ اب صورت کچھ اسطرح سے بنے گی:

- ☆ سکیورٹی ڈپازٹ کی رقم:-120000/-
- ☆ اثاثے کی مارکیٹ ویلیو-/170000
- ☆ اثاثے کی خرید وفروخت میں قابلِ برداشت فرق:-20000/-
- ☆ بقیہ فرق:-30000/-
- ☆ کلائنٹ سے وصولی:-30000/-
- ☆ جس قیمت پر اثاثہ کلائنٹ کو بیچا گیا:-150000/-

گویا کہ بینک نے کلائنٹ کو یہ گاڑی ایک لاکھ ستر ہزار روپے کے بجائے ایک لاکھ پچاس ہزار روپے میں فروخت

کردی۔ یہ تو کلائنٹ کیلئے ایک آسانی ہوئی۔کلائنٹ کیلئے دوسری آسانی یہ کی جاسکتی ہے کہ بینک یہ فرق کلائنٹ سے آسان اقساط میں وصول کرلے تاکہ کلائنٹ اس رقم کو ادا کرتے وقت بوجھ محسوس نہ کرے۔اور بینک کیلئے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں، جبکہ بینک تو یہ اضافی رقم ابتک چھوڑتا چلا آرہا ہے۔چنانچہ قسطوں میں صحیح، بینک کو ایک اضافی رقم تو مل جائیگی، اور بینک توسط سے اس کے کھاتہ داروں کو بھی۔اور نفع سے زیادہ اہم بات یہ کہ سودے کی حیثیت شرعی لحاظ سے بھی بالکل درست ہوجائیگی۔راقم کو اپنی اس تجویز کی تائید بھی مل گئی، اگرچہ وہ اس تجویز کی ابتدائی صورت تھی اور اس میں کچھ تحفظات کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔چناچہ ایم۔عمر چھاپڑا اور طارق اللہ خان بعض فقہاء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"The alternative suggested by them is that the lessor should sell the asset to the 'lessee' on an installment basis and then get it hypothecated to ensure full payment.However,once the asset is owned by the'lessee',it is very combersome for the bank to get it back from him in a number of Muslim countries even if he is unable to make payments.Moreover,the ownership if the asset enables him to sell the asset and use the money,leaving the bank with nothing to fall back upon."(13)

جو متبادل ان (فقہاء) کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مؤجر (بینک) وہ اثاثہ متاجر (کلائنٹ) کو اقساط پر بیچ دے اور مکمل اقساط کی ادائیگی کی یقین دہانی حاصل کرلے۔تاہم، جب ایک بار اثاثہ کلائنٹ کی ملکیت میں آگیا تو بہت سے مسلم ممالک میں بینک کیلئے اس صورت میں اثاثے کو واپس حاصل کرنا بہت مشکل ہوجائیگا جب کلائنٹ ادائیگی نہ کر پائے۔اسکے علاوہ، اثاثے کی ملکیت کلائنٹ کو اس قابل بنادیگی کہ وہ اسے بیچ کر رقم استعمال کرلے اور بینک کو اس حال میں چھوڑ جائے کہ بینک اسکی کوئی تلافی بھی نہ کرسکے۔

خدشات کا جائزہ:

جب اجارہ کے اختتام پر بینک، کلائنٹ کو اثاثہ بیچ دیگا تو یہ اجارہ سے علیحدہ ایک عقد ہوگا۔چناچہ اس صورت میں بینک اس کلائنٹ سے ضمانت یا رہن کے طور پر کوئی چیز رکھ سکتا ہے تاکہ کلائنٹ نادہندگی کا مرتکب ہوکر کے بھاگ نہ جائے۔اور دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جب بینک اس بات پر آمادہ ہے کہ وہ گاڑی سستے داموں کلائنٹ کو بیچ دے تو اس بات پر تو وہ یقیناً

بخوشی راضی ہوگا کہ گاڑی اسکی مروجہ قیمت پر کلائنٹ کے حوالے کردے۔ چنانچہ اصولی طور پر بینک کو کوئی خطرہ برداشت ہی نہیں کرنا پڑے گا۔ اور اگر ایڈوانس کی رقم اس گاڑی کی قیمت خرید کے مقابے میں بہت کم بھی ہے تو بھی بینک اپنے کلائنٹ سے کوئی چیز رہن رکھوا کر اپنا رِسک کور کر سکتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا عبارت میں کلائنٹ کی طرف سے نادہندگی کا جو خطرہ بیان کیا گیا ہے وہ قابل حل ہے۔ اور یہی رہن یا ضمانت کلائنٹ کو اس بات سے باز رکھے گی کہ وہ اس اثاثے کو بیچ کر بینک کو پوری ادائیگی کئے بغیر چھوڑ جائے۔ یہی بات 'المعاییر' میں بھی لکھی گئی ہے، اگر چہ وہ اجارہ کی شرائط کے ضمن میں درج ہے۔ چنانچہ اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ ضمانتیں جو شرعی طور پر لینا جائز ہیں، اپنی تمام اقسام مثلاً رہن اور کفالة وغیرہ کی صورت میں لی جاسکتی ہیں۔ تاکہ کلائنٹ کی کوتاہی یا زیادتی کی وجہ سے جو اجرت یا ضمان لی جاتی ہے اس کا حصول یقینی ہو جائے۔ (۱۴) جب یہ ضمانات اجارہ کی صورت میں لی جاسکتی ہیں تو ان ہی ضمانات کا شے مستأجرہ کی بیع کے وقت بھی لینا جائز ہوگا۔ اور شریعت میں اسکے جواز سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

ایک سوال اور تجویز:

البتہ اگر بینک، ڈپازٹ کی رقم اور کار کی مارکیٹ ویلیو کا فرق وصول کرتا ہے تو اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر کلائنٹ اس بات پر کیسے راضی ہوگا کہ وہ اجارہ مکمل ہونے کے بعد یہ فرق ادا کرے۔ راقم کے خیال میں اس حوالے سے مندرجہ ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر یہ فرق زیادہ ہے تو بینک جو نفع اجارہ پر لے رہا ہے، فی الحال وہ نفع پورا وصول نہ کرے اور اُسی نفع کو یہاں اجارہ کے اختتام پر آکر وصول کرلے۔ چنانچہ اس صورت میں کلائنٹ پر بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور بینک کو بھی اپنا نفع مل جائے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ بینک کتنا کم نفع وصول کرے؟ تو یہ معلوم کرنا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ بینک کیونکہ اجارہ کے معاملات ہر وقت سر انجام دے رہا ہوتا ہے اسلئے وہ یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ آخر میں گاڑی کلائنٹ کو تقریباً کتنی رقم میں فروخت کرنی ہے اور اجارہ کے اختتام کے وقت اُس کار یا مشینری کی قیمت کیا ہوگی، جیسا کہ بینک نے یہ اندازہ اپنے Depreciation Schedule میں بھی لگایا ہوتا ہے۔

مثلاً اگر ایک بینک چار لاکھ کی گاڑی پر ایک لاکھ منافع وصول کر رہا ہے اور بینک کے اندازے کیمطابق وہ گاڑی اجارہ کے اختتام پر دو لاکھ میں فروخت ہوگی تو بینک مدت اجارہ کے دوران فی الحال پچاس ہزار نفع کی مد میں وصول کرے اور باقی پچاس ہزار اجارہ کے بعد وصول کرے۔ اور یہ صورت ایسے بنے گی کہ بینک کا نفع تو ایک لاکھ ہی ہے لیکن اُس نے اس نفع کی وصولی مؤخر کردی، اور اپنے نفع کی تاخیر سے وصولی میں شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اور کیونکہ بینک یہ رقم تاخیر سے وصول کر رہا ہے اسلئے وہ اس منافع کو آخر میں کچھ بڑھا کر بھی وصول کر سکتا ہے تاکہ اس تاخیر کی تلافی ہو سکے، لیکن یہ بڑھانا

اجارہ کی ابتدا میں ہی ہوگا۔مثلاً آجکل بینک نے منافع وصول کرنے کا جو اندازہ لگایا ہوا ہے، تاخیر سے وصول کرنے کی صورت میں وہی نفع دس ہزار زیادہ بن رہا ہے تو کلائنٹ سے دس ہزار زیادہ وصول کر سکتا ہے۔چنانچہ بینک ساٹھ ہزار بھی وصول کر سکتا ہے۔لیکن یہ ساٹھ ہزار

پہلے سے طے ہو جائیں گے اور ان میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کی جاسکے گی۔اور اس بات میں کوئی شک نہیں کی روپے کی وقت کے لحاظ سے قدر(Time Value of Money) ایک مسلمہ حقیقت ہے، بشرطیکہ وہ کسی اثاثے کے ساتھ جڑی ہو اور پہلے سے طے ہو جائے، جیسا کہ یہاں پر کیا گیا۔اور یہ زیادہ وصول کرنا اُس چھوٹ میں سے بھی ہو سکتا ہے جو بینک نے کلائنٹ کو گاڑی کی فروخت کے سلسلے میں فرق کی زیادہ سے زیادہ مقدار کے ضمن میں دی تھی، جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

نفع کی مختصر اقساط میں وصولی:

بینک، بیع کے ضمن میں ہونے والی اِس وصولی کی اقساط کم بھی رکھ سکتا ہے تا کہ بیع کا معاملہ جلد اختتام پذیر ہو۔اور کلائنٹ نے کیونکہ اجارہ کے دوران کم منافع دیا ہے اسلئے وہ بیع میں بھی کم اقساط ادا کرنے کا متحمل ہو سکتا ہے۔اور اجارہ کا بقیہ منافع مثلاً پچاس ہزار اُس وقت بھی وصول کیا جاسکتا ہے جب گاڑی کو بیچ کر اسکی اقساط وصول کی جارہی ہوں۔

چنانچہ اسکی صورت کچھ اسطرح سے بنے گی:

- ☆ سیکیورٹی ڈپازٹ کی رقم:-/120000
- ☆ اجارہ کے اختتام پر اثاثے کی مارکیٹ ویلیو:-/200000
- ☆ اثاثے کی خرید وفروخت میں قابلِ برداشت فرق:-/20000
- ☆ بقیہ فرق:-/60000
- ☆ اجارہ کا باقی ماندہ منافع:-/50000
- ☆ کلائنٹ سے بقیہ وصولی:-/110000=-/50000+-/60000
- ☆ کل رقم جس پر اثاثہ کلائنٹ کو بیچا گیا:-/180000=-/120000+-/60000
- ☆ کل منافع=-/160000=50000+50000+60000

نفع کی تناسب کے لحاظ سے وصولی:

اس صورت میں کیونکہ منافع بڑھ گیا، لہٰذا بینک اپنا منافع مناسب حد تک کم کر سکتا ہے۔یعنی بینک اپنے نفع کا تناسب اس حد تک کم کرلے کہ بعد میں وصول کرنے کی صورت میں بھی اسی تناسب سے وصولی ہو جائے جس تناسب سے تمام منافع، اجارہ ہی کی مدت میں حاصل کرنے سے ہوتی تھی۔اور منافع میں اس قسم کی کمی اور تبدیلی کیونکہ نزاع کا باعث نہیں بن رہی اسلئے ایسا کرنا

شرعاً بھی جائز ہو جائیگا۔اور پہلی صورت کے مقابلے میں یہ دوسری صورت راقم کے خیال میں کلائنٹ اور بینک کیلئے زیادہ مناسب ہے۔لیکن یہاں پر اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ اگر بینک نفع کا تناسب کم کرتا ہے تو وہ اِس حد تک کم نہیں ہونا چاہئے کہ مارکیٹ میں جاری کرائے اور بینک کے وصول کئے جانے والے کرائے میں فرق بہت زیادہ ہو جائے اور کرائے کے اندر مصنوعی پن پیدا ہو جائے۔گویا کہ ایسا نہ ہو کہ بینک، بیع کے مصنوعی پن سے بچنے کے لئے اجارہ کے مصنوعی پن میں داخل ہو جائے۔

نفع میں تناسب کا ایک اور اصول:

اب کیونکہ بینک کو یہ حتمی طور پر تو معلوم نہیں کہ گاڑی آخر میں کتنے میں فروخت گی (لیکن تخمینی طور پر کافی کچھ معلوم ہوسکتا ہے) اس لئے اگر بینک کم نفع رکھتا ہے تو بینک اور اس کے کھاتہ داروں کو نقصان کا اندیشہ ہے، اور اگر نفع زیادہ رکھتا ہے تو کلائنٹ کو گاڑی خریدتے وقت ادائیگی میں مشکل پیش آسکتی ہے۔اسلئے راقم کے خیال میں ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بینک نفع کا تناسب تو وہی رکھے جو تمام نفع اجارہ کی صورت میں وصول کرنے پر رکھا ہوا تھا، لیکن اگر وہ یہ دیکھے کہ فروخت کے وقت گاڑی کی قیمت بہت زیادہ ہے تو وہ تبرع کرتے ہوئے اپنے باقی ماندہ پچاس ہزار کے نفع کو پورا وصول نہ کرے بلکہ اُتنا ہی کم وصول کرے جتنا کہ گاڑی کی قیمت فروخت میں فرق آرہا ہے۔اور تبرعاً اپنا نفع چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ چیز مشروط نہ ہو اور بینک کو اس میں مکمل اختیار حاصل ہو۔لیکن یہاں پر یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اگر یہ چیز "المعروف کا لمشروط" کے ذیل میں آگئی تو ناجائز ہو جائے گی چنانچہ اس بات کا خصوصی خیال رکھنا پڑے گا۔اس صورت میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بینک بقیہ پچاس ہزار کے نفع کا مستحق رہے گا، اگرچہ گاڑی کی قیمت اجارہ کے اختتام پر مارکیٹ ریٹ سے بھی کم ہوگئی ہو۔چناچہ اگر ایسا ہوا تو بینک اپنے نفع کے یہ پچاس ہزار، سیکیورٹی ڈپازٹ کی رقم سے وصول کرلیگا۔اور یہ صورت کلائنٹ کو اُس گاڑی یا مشینری کے غلط استعمال سے بھی باز رکھے گی کیونکہ اسے پتہ ہوگا کہ بینک نے اجارہ کے اختتام پر بقیہ نفع وصول کرنا ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بینک سیکیورٹی ڈپازٹ کی رقم بھی کم وصول کرسکتا ہے، یا پھر رقم کے بجائے کوئی چیز رہن یا بعد کی کسی تاریخ کا چیک (Post Dated Cheque) رکھوا سکتا ہے تاکہ اجارہ کے بعد جب کلائنٹ گاڑی خریدے تو اس کو سیکورٹی ڈپازٹ کی طرف سے آسانی (Relief) حاصل ہو چکی ہوگی۔

۳۔ تیسری صورت میں بینک اجارہ کے اندر اپنے نفع کا تناسب شروع ہی سے کم رکھ سکتا ہے۔مثلاً اگر نفع کا تناسب تیس فیصد ہے تو اسے پچیس فیصد بھی وصول کرسکتا ہے۔اور آخر میں جب بینک کلائنٹ کو گاڑی فروخت کرے گا تو اجارہ کے اندر نفع میں جو کمی رہ گئی تھی وہ اس گاڑی کی فروخت میں وصول ہو جائے گی۔اور اسکا اندازہ بینک اپنے ریکارڈ

سے کرسکتا ہے کہ نفع کا تناسب کیا رکھنا چاہئے اور اور عام طور پر آخر میں گاڑی کس قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔اور اگر نفع کی وصولی میں فرق کم یا زیادہ ہو جائے تو یہاں پر بھی اثاثے کی فروخت میں 'قابل برداشت فرق' کا اصول استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ تمام صورتوں پر مزید غور وفکر کر کے ان میں سے کسی ایک کو اجارہ نامہ کا حصہ بنا دینا چاہئے، اسلئے کہ مارکیٹ ویلیو سے کم قیمت میں اثاثے کو بیچنے پر اعتراض کی حیثیت کافی مضبوط ہے۔

اجارہ کا مقصد اور مؤیدین کے دلائل:

راقم کے خیال میں اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کا بنیادی مقصد تو وہی ہے جو ناقدین نے بیان فرمایا ہے، یعنی بالآخر اثاثے یعنی کار وغیرہ کا کلائنٹ کی طرف منتقل ہو جانا۔ اور یہ چیز یقیناً بینک اور کلائنٹ کے مدنظر ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اثاثے کا یہ انتقال، جائز حدود میں رہتے ہوئے کیا جاتا ہے یا پھر شرعی حدود کو نظر انداز (Bypass) کر کے یہ عمل سرانجام دیا جاتا ہے؟ بنیادی بات یہ نہیں کہ آخر میں اس اجارے کا اختتام کس صورت میں ہوتا ہے، بلکہ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ انجام شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ہوتا ہے یا ان سے باہر رہ کر؟ اور بنیادی اعتراض یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اثاثہ جس پر اجارہ شروع ہوا تھا، بینک نے بالآخر کلائنٹ کو کیوں بیچ دیا؟ بلکہ بنیادی سوال یہ ہونا چاہئے کہ آیا وہ بیچنا شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے تھا یا ان سے باہر نکل کر؟ آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ فقہاء کرام جن کا تعلق اسلامی بینکوں کے ساتھ ایڈوائزری کا ہے اس اعتراض کا کیا جواب دیتے ہیں۔

مؤیدین کے دلائل:

ان فقہاء کرام کا یہ کہنا ہے کہ جب عملی طور پر مشینری یا گاڑی تیار ہو کر آ جائے تو اس وقت کلائنٹ سے صرف اور صرف اجارہ کا ہی معاملہ کرنا چاہئے اور اجارہ کے ہی اصول وضوابط کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ کنوینشنل بینکوں میں تو لیزنگ (Leasing) کے معاہدے میں ہی یہ بات درج ہوتی ہے کہ بینک لیزنگ کی مدت ختم ہونے پر یہ گاڑی یا مشینری کلائنٹ کو بیچ دیگا۔ اور ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں اسلئے کہ اسطرح ایک عقد کے اندر دو مشروط معاملات (Two Contracts in one Agreement) کی خرابی لازم آتی ہے اور حدیث میں اسکی صراحۃً ممانعت مذکور ہے۔ چنانچہ اس حرام عقد سے اسلامی بینکوں کو بطور خاص روکا گیا ہے۔ البتہ اگر کہیں ضرورت ہو تو بینک مستقل ایک الگ معاہدے کے ذریعے یکطرفہ وعدہ (Unilateral Promis) کرسکتا ہے کہ اگر کلائنٹ نے بروقت تمام اقساط بروقت ادا کر دیں تو بینک فلاں قیمت پر اسے یہ چیز فروخت کر دیگا یا ہبہ (Gift) کر دے گا۔

لیکن اس کے جائز ہونے کیلئے یہ شرط ہوگی کہ یہ وعدہ اجارہ کے عقد (Contract) کا نہ تو لازمی حصہ (Integral) ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ مشروط (Conditional) ہو۔ اسلئے کہ اگر اس وعدہ کو اجارہ کے عقد کے ساتھ

مشروط کر دیا جائے تو اس سے عقد کے اندر غرر (Uncertainty) آجائے گا۔ گویا کہ ایک عقد دوسرے عقد پر موقوف ہو جائے گا اور اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تم سے تمہارا مکان اس شرط پر کرائے پر لیتا ہوں کہ تم پانچ سال بعد یہ مکان مجھے بیچ دو گے۔ اب یہاں پر مکان کا خریدنا اس کے بیچنے پر موقوف ہے اسلئے غرر (غیر یقینی کیفیت) کی وجہ سے نا جائز ہے۔ لیکن اسلامی بینکوں میں دو معاملات الگ الگ معاہدوں کے ذریعے کیے جاتے ہیں اس لئے ایک معاہدے کی تکمیل دوسرے معاہدے پر موقوف نہیں ہوتی جس کی وجہ سے غرر بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں اگر مالک مکان کرایہ داری کے معاملے میں کوئی شرط لگائے بغیر الگ سے یہ وعدہ کرلے کہ میں اتنی مدت بعد یہ مکان کرائے دار کو بیچ دونگا، یا بغیر وعدے کے، کرایہ داری کا معاملہ پورا ہونے پر اسے یہ مکان بیچ دے تو اس صورت میں غرر کی خرابی لازم نہیں آئیگی۔ چنانچہ اگر مالک مکان بعد میں اپنا وعدہ پورا نہ کرے تو اس سے کرائے داری کے معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنی جگہ پر ایک مکمل معاملہ ہوگا۔ (۱۵)

دلائل کا جائزہ:

سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ شریعت میں غرر کیوں ممنوع ہے؟ اگر غور کیا جائے تو غرر دو باتوں کی وجہ سے ممنوع نظر آتا ہے:

۱۔ اس میں نزاع کا خطرہ ہوتا ہے۔

۲۔ فریقین میں سے کسی ایک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ حضرات جو اجارہ کی مذکورہ بالا صورت کے جواز کے قائل ہیں وہی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ غرر یسیر (Minor Uncertainty) شریعت میں قابلِ قبول ہے۔ اور اس کے قبول ہونے کی وجہ اسکا مفضی الی النزاع نہ ہونا ہے۔ چنانچہ ہمیں اجارہ والے معاملے میں یہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ کہ ایک معاملہ کی تکمیل دوسرے معاملے پر تو موقوف نہیں؟ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آیا اجارہ والے معاملے میں مؤجر (Lessor) کا اجارہ کے اختتام پر بیع کا وعدہ پورا نہ کرنا باہمی نزاع کا سبب تو نہیں بن جائے گا؟ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ بینک اجارہ کی قسطیں ہی اس طور پر وصول کر رہا ہوتا ہے کہ گاڑی کی اصل قیمت یا اصل قیمت کا کچھ حصہ ان قسطوں میں وصول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اجارہ کے اختتام پر عام طور پر سیکیورٹی ڈپازٹ کے بدلے میں یا ہدیہ کی صورت میں وہ گاڑی کلائنٹ کو دے دی جاتی ہے۔

عقد کی اس صورت کے خلاف یہاں پر یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ جس میں غرر (Uncertainty) اس قدر پایا جا رہا ہے کہ اگر بینک کلائنٹ کو بالآخر گاڑی نہ بیچے تو نوبت نزاع تک ضرور پہنچے گی۔ اور کلائنٹ کے پاس کیونکہ بینک کے وعدے کے کاغذات (Documents) بھی ہونگے چنانچہ وہ عدالت سے رجوع بھی کر

سکتا ہے۔اور فقہ کا معروف قاعدہ ہے:

"المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً" (۱۶)

''جو بات عرف میں مشہور و معروف ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط ہوتی ہے۔''

یہ قاعدہ اسی بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بینک کا وعدہ دراصل ایک قسم کی شرط ہی ہے، جبکہ کلائنٹ کے پیش نظر بھی عام طور پر آخر میں اس گاڑی کو خریدنا ہی ہوتا ہے۔اب دیکھئے کہ جو چیز معروف ہے وہ یقیناً شرط نہیں ہے، اسی وجہ سے اس قاعدے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ بھی شرط کی طرح ہوتی ہے یعنی حکم کے لحاظ سے وہ معروف چیز شرط ہی کہلائے گی۔ یہاں پر یہ اشکال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر مالک مکان یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اجارہ کی تکمیل کے بعد تمہیں اپنا مکان بیچ دونگا تو وہ مروجہ اسلامی بینک کے اجارہ سے ایک اعتبار سے مختلف ہے۔ مالک مکان اگر اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے مکان نہ بیچے تو کرایہ دار اسے وعدہ پورا کرنے پر عدالت کے ذریعے مجبور نہیں کر سکتا۔ جبکہ اسلامی بینک اگر اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے کار یا مشینری کلائنٹ کے حوالے نہ کرے تو کلائنٹ عدالت میں جا کر بینک کے خلاف کاروائی کر سکتا ہے۔اور پھر جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ وعدہ کو قضاءً بھی پورا کرنا لازمی ہے تو انکے قول کے مطابق پھر تمام وعدے پورے کرنا قضاءً بھی ضروری ہونے چاہئیں جبکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ تمام وعدے قضاءً پورے کئے جائیں۔اور اگر کسی کو اسلامی بینکاری میں وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے تو ایسا نقصان عام وعدے میں بھی ہوتا ہے۔

اسکی مثال چیک (Cheque) کی ہے۔ ایک شخص کسی کو چیک دیتا ہے کہ فلاں تاریخ کو میرے اکاؤنٹ سے رقم نکلوا لینا۔ اب اگر مطلوبہ تاریخ کو اکاؤنٹ سے رقم نہ نکل سکی اور چیک باؤنس (Bounce) ہو گیا تو یہ شخص چیک جاری کرنے والے کے خلاف عدالت میں جا سکتا ہے اور اپنا حق وصول کر سکتا ہے کیوں کہ چیک لکھنے والے نے اپنے وعدے کو ایک قانونی شکل دے دی تھی۔ چنانچہ عملی طور پر یہ وعدہ ایک معاہدے کے حکم میں آ گیا تھا جس کا پورا کرنا ضروری تھا۔اور اس صورت میں عدالت یہ بھی نہیں دیکھے گی کہ آیا یہ چیک والی رقم بطور قرض کے لی گئی تھی یا چیک لکھنے والے نے بطور تبرع کے دینی تھی۔ عدالت نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ کیونکہ چیک میں کئے گئے قانونی وعدے کو پورا نہیں کیا گیا اس لئے قانوناً یہ وعدہ پورا کروایا جائے۔ اور اگر مالک مکان کرائے کے ساتھ ساتھ مکان کی فروخت کی رقم بھی کرائے میں شامل کرتا ہے تو اسکی مثال بھی بالکل چیک والی ہو جائیگی اور بالآخر مکان کرایہ دار کو فروخت نہ کرنے کی صورت میں کرایہ دار کو بھی عدالت سے رجوع کا حق حاصل ہو جائیگا، بشرطیکہ کرایہ دار کے پاس اس بات کا ثبوت ہو کہ مکان کے کرائے میں مکان کی فروخت کی رقم بھی شامل ہوتی تھی۔ چنانچہ اس صورت میں مکان والے معاہدے کو اسلامی بینکاری کے مروجہ اجارہ کے حق میں بطور مثال پیش کرنا درست نہ رہے گا، اس لئے کہ اسلامی بینک اجارہ پر دی جانے والی چیز کی فروخت کی رقم کرائے میں الگ سے شامل ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ کلائنٹ کو آخر میں یہ دعویٰ کرنے کا اختیار ہی باقی نہیں رہتا کہ مجھے اجارہ کے اختتام پر شے مستاجرہ

لازمی طور پر دلوائی جائے۔

شرط اور عام وعدہ میں فرق:

شرط اور عام وعدہ میں بنیادی فرق یہی ہوتا ہے کہ عام وعدے کو قانونی طور پر پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا جبکہ شرط کو پورا کرنا قانوناً ضروری ہوتا ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی بینک میں وعدہ کو پورا کرنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسکو پورا نہ کرنے سے کسی ایک فریق کو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔تو اس بات کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ایسا تو ایک عام وعدے میں بھی ہوتا ہے۔فریق A فریق B سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہیں مئی میں گندم کی اتنی بوریاں فلاں قیمت پر بیچوں گا۔اب مقررہ مہینے میں اگر A نے B کو بوریاں نہ دیں تو A کا نقصان ہوگیا اسلئے کہ اس نے کسی اور سے گندم کا وہ ریٹ طے نہیں کیا تھا جو B سے طے ہوا تھا۔اور نہ ہی بعد میں وہ ریٹ کسی اور سے طے ہوسکا۔چناچہ آئندہ نقصان کو بنیاد بنا کر وعدے کو قانوناً پورا کروانا درست نہ ہوا جبکہ اس وعدے کا تعلق اجارہ سے نہیں بلکہ بیع سے ہے۔

مذکورہ اعتراض کا جائزہ:

اس اعتراض کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر بینک گاڑی دینے سے انکار کردے تو اگرچہ کلائنٹ اس گاڑی کو حاصل کرنے کیلئے عدالت سے رجوع کرسکتا ہے، گویا کہ بینک کے کئے گئے وعدے کو قضاءً پورا کرداسکتا ہے۔لیکن ایک بنیادی چیز اس وعدے کو عام معاہدے سے خارج کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بینک کوئی واقعی عذر پیش کر دے کہ میں اس وجہ سے آخر میں، وعدے کے مطابق کلائنٹ کو گاڑی نہ دے سکا، تو اس صورت میں عدالت بینک کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہے۔یہ وہ بنیادی فرق ہے کہ جس کی طرف معترضین حضرات کی نظر نہ جاسکی۔ایک عام معاہدے میں، جو دوطرفہ ہو، عدالت سے رجوع کرنے کی صورت میں اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔جبکہ مذکورہ وعدے کی صورت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر بینک مجبور ہو تو اسکے لئے وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس قسم کے التزام کا قضاءً لازم ہونا تو بعض مالکی علماء کا قول ہے، لیکن دیانۃً واجب ہونے کے تو سب قائل ہیں، اور غیر سودی بینکوں میں گاہک کی طرف سے جو التزام ہوتا ہے، اس میں یہ صراحت نہیں ہوتی کہ یہ التزام قضاءً بھی لازم ہوگا، اور کم از کم میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس میں یہ معاملہ عدالت تک پہنچا ہو، اور وہاں سے اسکی ادائیگی کا فیصلہ ہوا ہو، لہٰذا اگر عدالت تک جائے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے تو اس میں کسی مذہب کے لحاظ سے بھی اشکال نہ ہونا چاہئے۔'' (۱۷)

اجارہ کی مروجہ صورتحال اور ایک تجویز:

اگر ہم اجارہ کی مروجہ صورتحال کا جائزہ لیں تو یہ بات نظر آئے گی کہ اسلامی بینک کو اجارہ کے اختتام پر گاڑی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ بینک جب کسی کو گاڑی اجارہ پر دیتا ہے تو وہ اپنے نفع کا تخمینہ پہلے لگا لیتا ہے۔ اور اس نفع کو وہ اجارہ کی قسطوں میں وصول کر چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اسے اجارہ کے اختتام پر گاڑی واپس لینے میں فائدہ بھی ہو، تب بھی وہ گاڑی واپس نہیں لیتا اور عام طور پر سیکیورٹی ڈپازٹ (Security Deposit) کے عوض گاڑی کلائنٹ کو بیچ دیتا ہے۔ اگر ہم اس امکان کا جائزہ لیں کہ اسلامی بینک اپنے وعدے کو کس حد تک پورا کرتے ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے کو سو فیصد پورا کرتے ہیں۔ اور اسکی تین بنیادی وجوہات ہیں:

۱۔ اجارہ میں اسلامی بینکوں کا نفع وصول ہو جانا۔

۲۔ اسلامی بینکوں کا پروفیشنل (Professional) ہونا۔

۳۔ اثاثہ واپس لینے کی صورت میں بینک کی مصروفیات کا بڑھ جانا ہے۔ کیونکہ بینک کو پھر وہ اثاثہ یا کار مارکیٹ میں سیل کرنا ہوگی، جو ایک وقت طلب کام ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بینک اپنے وعدے کو یقیناً پورا کرتے ہیں تو پھر راقم کی طالب علمانہ رائے میں بینک اور کلائنٹ کے درمیان وعدے کی نوعیت کچھ تبدیل ہونی چاہئے۔ یہاں تک تو بات درست ہے کہ اگر بینک کوئی عذر پیش کر دے تو بینک کیلئے وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اور یہ معاہدے اور وعدے میں ایک بہت بڑی حد فاصل ہے۔ لیکن راقم کے خیال میں اس صورت کو مزید بہتر کیا جا سکتا ہے۔ اگر چہ وعدے کی یہ صورت بھی جائز ہے، لیکن اس میں معمولی کراہت بہر حال موجود ہے جو ختم ہو سکتی ہے۔ کراہت تو اس وجہ سے ہے کہ بینک اگر آخر میں گاڑی کلائنٹ کو نہ بیچے تو کلائنٹ عدالت سے رجوع کر سکتا ہے اور یہی وہ نزاع کا خطرہ اور غرر (Uncertainty) ہے کہ جس کی وجہ سے حدیث میں 'صفقۃ فی صفقۃ' کی ممانعت آئی ہے۔ اور اس کی کراہت معمولی، تین وجوہات سے ہو جاتی ہے:

۱۔ وعدے کو قانوناً پورا کروانا بعض مالکی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا صورت میں بینک کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے وعدے کو پورا کرنے سے معذرت بھی کر سکتا ہے۔

۳۔ بینک یقینی طور پر اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور اسکی ایک وجہ انکی ساکھ بھی ہے۔

جب بینک اپنے وعدے کو یقیناً پورا کرتے ہیں تو پھر بینکوں کو چاہئے کہ جب وہ کلائنٹ سے گاڑی بیچنے کا وعدہ کریں تو اس وعدے کو تحریری شکل تو بے شک دے دیں لیکن ساتھ میں یہ شق بھی لگا دیں کہ اگر بینک نے وعدہ پورا نہ کیا تو کلائنٹ کو اس وعدے کی وجہ سے عدالت میں جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلائنٹ بینک پر اعتبار

کیسے کرے گا؟ اس لئے کہ کلائنٹ تو گاڑی خریدنا چاہتا ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ بینک کلائنٹ کو اس شق کے بارے میں درج ذیل مختلف طریقوں سے مطمئن کر سکتا ہے:

ا۔ یہ شق اس وجہ سے رکھی گئی ہے تاکہ آخر میں نزاع کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ بینک بلاوجہ گاڑی نہیں دیتا۔ اور پھر بینک کی گاڑی میں عدم دلچسپی کی وہ وجوہات بیان کردی جائیں جو راقم نے اوپر ذکر کی ہیں یعنی بینک کا اجارہ میں کرایہ کی صورت میں نفع حاصل کر لینا؛ بینک کا پروفیشنل (Professional) ہونا؛ اور تیسری وجہ اثاثہ واپس لینے کی صورت میں بینک کی مصروفیات کا بڑھ جانا ہے۔

۲۔ بینک آخر میں گاڑی بیچنے (Sale) کا اپنا سابقہ ریکارڈ کلائنٹ کو دکھا سکتا ہے جس کو دیکھ کر کلائنٹ یقیناً مطمئن ہو جائیگا۔ اس تجویز پر عمل کرنے کی صورت میں جو معمولی سی کراہت ہے وہ بھی دور ہو جائیگی۔

مروجہ اسلامی اجارہ میں انتقال ملکیت کے دو طریقے:

ہدیہ (gift) یا بیع (Sale)؟

کیونکہ مروجہ اسلامی بینکاری کے اجارہ میں انتقال ملکیت کا ایک طریقہ ہدیہ کی صورت میں بھی ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ہدیہ والی صورت بھی "صفقۃ فی صفقۃ" کے تحت آئیگی یا نہیں؟ یا پھر اسے اجارہ سے علیحدہ کوئی معاہدہ سمجھا جائیگا؟ آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا عمران اشرف عثمانی صاحب نے ہدیہ (Gift) والی صورت کو دو شرائط کیساتھ جائز قرار دیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"In Islamic Shariah,it is allowed that instead of sale,the lessore signes a separate promise to gift the leased asset to the lessee at the end of the leased period,subject to his payment of all amounts of rent.This arrangement is callled' Ijarah wa Iqtina'.It has been allowed by a large number of contemporary scholars and is widely acted upon by the islamic banks and financial institutions.The validity of this arrangement is subject to two basic conditions:

a) The arrangement of Ijarah itself should not be subjected to signing this promise of sale or gift but the promise should be recorded in a separate document.

b) The promise should be unilateral and binding on the promisor only.It should not be a bilateral promise binding on both parties because in this case it will be a full contract effected to a future date,which is not allowed in the case of sale or gift."(18)

''شریعتِ اسلامیہ میں اس بات کی اجازت ہے کہ مؤجر (Lessor) اثاثے کو آخر میں فروخت کرنے کے بجائے ایک علیحدہ معاہدے پر دستخط کرے کہ وہ یہ اثاثہ اجارہ کی مدت ختم ہونے کے بعد مستأجر (Lessee) کو ہدیہ کر دیگا۔ لیکن شرط یہ ہوگی کہ مستأجر نے اجارہ کی تمام اقساط ادا کر دی ہوں۔ اس معاہدے کو'اجارہ واقتناء' کا نام دیا گیا ہے اور اسے بہت سے معاصر علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ اس صورت کو بہت سے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ لیکن اس معاہدے کی بقا کا دارومدار دو بنیادی شرائط پر ہے:

۱۔ اجارہ کی دستاویز پر اس بیع یا ہدیہ کے معاہدے کے دستخط نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہدیہ کا وعدہ علیحدہ دستاویز پر ہونا چاہئے۔

۲۔ معاہدہ یک طرفہ ہونا چاہئے اور اس کا پورا کرنا صرف وعدہ کرنے والے کے ذمے ہونا چاہئے۔ یہ دوطرفہ معاہدہ نہیں ہونا چاہئے جو کہ فریقین کے ذمے لازم ہو، اسلئے کہ اس صورت میں یہ ایک مکمل معاہدہ بن جائے گا جو آئندہ تاریخ میں کارگر ہوگا، جو بیع (Sale) یا ہدیہ (Gift) والی صورت میں جائز نہیں۔''

اسلامی بینکوں میں اجارہ کے اختتام پر عام طور پر دو قسم کے معاملات کی اجازت دی گئی ہے، بیع یا ہدیہ۔ اسلامی بینکوں میں بیع والی صورت پر بھی کثرت سے عمل ہو رہا ہے۔ بیع کی صورت میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ اثاثے کی حقیقی قیمت پر بیع نہیں ہوتی، بلکہ سیکورٹی ڈپازٹ پر ہی اثاثہ کلائنٹ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ راقم نے اس بارے میں کچھ تجاویز بھی ذکر کی تھیں۔

جب اثاثے کی بیع پر اعتراض ہوا کہ آیا یہ'صفقۃ فی صفقۃ' کے تحت تو نہیں آتا؟ تو وہی اعتراض ہدیہ کی صورت میں زیادہ قوت سے ہوگا۔ اس لئے کہ بیع میں تو کلائنٹ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ یا تو اثاثہ لے یا پھر اپنی رقم واپس وصول کر لے۔ اور اس کے باوجود یہ سوال اٹھایا گیا کہ اثاثے کی خریداری حقیقی قیمت پر نہیں ہو رہی بلکہ پہلے سے طے شدہ قیمت پر ہو رہی ہے۔ جب کہ ہدیہ کی صورت میں صرف ایک ہی صورت متعین ہے کہ کلائنٹ کو گاڑی وغیرہ آخر میں بلا قیمت دے دی جائیگی اور اس کا سبب وہی بینک کا علیحدہ سے وعدہ کرنا ہوگا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہدیہ کس چیز کے مقابلے میں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ہدیہ کسی بھی چیز کے مقابلے میں نہیں ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں کہ کلائنٹ نے بینک کی گاڑی استعمال کی اسلیئے بینک نے خوش ہو کر اپنے کلائنٹ کو وہ گاڑی بطور تحفہ کے دیدی۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں تو بینک کے کھاتہ داروں (Depositors) کا بھی حصہ تھا تو کیا بینک نے ان سے اس بات کی اجازت لی تھی؟ اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بینک کو اختیار دیا ہوا ہے کہ

وہ انکے مال میں جو جائز تصرف کرنا چاہے کرسکتا ہے۔اور کلائنٹ کو ہدیہ دینا کیوں کہ بینک کی آمدنی میں اضافے کا باعث ہے بایں طور کہ اس طرح مزید کلائنٹس آکر بینک سے اجارہ کا معاملہ کرینگے اور اسے مزید نفع کا حقدار بنادیں گے،اسلئے یہ جائز تصرف ہی شمار ہوگا اور اسکی اجازت بھی ڈپازٹرز کی جانب سے سمجھی جائیگی۔اگر یہ تحفہ دینا بغیر کسی وعدہ کے ہوتا تب تو اس پر کوئی اشکال نہ ہوتا،لیکن بینک کا وعدہ کر لینا کلائنٹ کو اس بات کا حقدار بنادے گا کہ وہ وعدہ پورا نہ کرنے کی صورت میں عدالت سے رجوع کر لے،اگر چہ بینک کے کوئی واقعی عذر پیش کرنے کی صورت میں عدالت بینک کے حق میں ہی فیصلہ سنا دے۔لیکن بہر حال عدالت تک نوبت جاسکتی ہے۔اور اسی کو نزاع کی نوبت کہتے ہیں جس سے بچنے کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے اور یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ نزاع کی نوبت بھی نہیں آنی چاہئے۔چنانچہ ہدیہ کی صورت 'صفقۃ فی صفقۃ' کے اس لحاظ سے زیادہ مشابہ ہے کہ اس صورت میں بینک کا گاڑی کلائنٹ کو ہدیہ کرنا،اس ہدیہ کرنے کو اجارہ والے معاملے پر زیادہ منحصر کر دیتا ہے۔
اور اسکی وجہ یہ ہے کہ:

۱۔ اجارہ کے اختتام پر صرف ہدیہ والا معاملہ ہی لازم اور متصور ہے۔تو گویا کہ اجارہ کے بعد صرف ہدیہ والا معاملہ ہی وجود میں آیگا۔اگر چہ یہ معاملہ علیحدہ وعدے کے ذریعے عمل پذیر ہوگا مگر پھر بھی فقہاء کی ایک جماعت اسے صحیح تصور نہیں کرتی۔یہ بات یقیناً درست ہے کہ یہ وعدہ اجارہ والے معاملے کیلئے شرط نہیں ہے اور اجارہ والا معاملہ اپنی جگہ پورا ہو جائیگا لیکن پھر بھی عملی طور پر اس ہدیہ کا سبب وہ گذشتہ اجارہ ہی بن رہا ہے۔

۲۔ لیکن اگر یہاں پر بیع والا معاملہ کر دیا جائے تو دو احتمال ہیں،یا تو کلائنٹ گاڑی خرید لے گا یا پھر نہیں خریدے گا۔تو گویا کہ اب ان لوگوں کے نزدیک بھی 'صفقۃ فی صفقۃ' والا اعتراض نہیں ہوسکتا جو یہ کہتے ہیں کہ عملی طور پر تو اجارہ بیع ہی پر موقوف ہو رہا ہے،اس لئے کہ یہاں پر کلائنٹ کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ اثاثہ خریدے یا نہ خریدے۔اور پھر یہ اعتراض اسوقت بالکل ہی ختم ہو جائیگا جب بینک،بیع کا وعدہ کرتے ہوئے یہ شق بھی لگادے گا کہ اگر بینک نے کسی وجہ سے گاڑی کلائنٹ کو نہ دی تو اسے بینک کے خلاف عدالت جانے کا اختیار نہیں ہوگا۔تاکہ نزاع کا خطرہ بھی ختم ہو جائے۔لہٰذا راقم کے خیال میں اجارہ کے بعد ہدیہ والا معاملہ کرنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔اور اسلامی بینکوں کو آخر میں ہدیہ کے بجائے بیع والی صورت کو اختیار کرنا چاہئے تاکہ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کے اندر پائی جانے والی یہ خرابی دور ہوسکے۔

نتائج بحث:

۱۔ اجارہ کے اختتام پر اسلامی بینک کی طرف سے کلائنٹ کو مصنوعی قیمت پر اثاثہ فروخت کرنے سے اجارہ کا معاملہ ناجائز نہیں ہوتا البتہ اس میں ایک قسم کی کراہت ضرور پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے،خاص طور پر جب

متبادل صورت بھی پیش کر دی جائے۔

۲۔ اجارہ اسلامی بینکاری میں رائج مذکورہ وعدے کے اندر بہر حال کراہت موجود ہے لیکن یہ کراہت اس عقد کو ناجائز نہیں کرتی اور نہ ہی 'صفقۃ فی صفقۃ' کے تحت لاتی ہے۔اس کراہت کو بھی دور کیا جانا ضروری ہے تا کہ اجارہ کے عمل میں شبہ پیدا نہ ہو چناچہ اس کراہت کو دور کرنے کیلئے اسلامی بینکوں کو چاہئے کہ جب وہ کلائنٹ سے گاڑی بیچنے کا وعدہ کریں تو اس وعدے کو تحریری شکل دیتے ہوئے ساتھ میں یہ شق بھی لگا دیں کہ اگر بینک نے وعدہ پورا نہ کیا تو کلائنٹ کو اس وعدے کی وجہ سے عدالت میں جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا تا کہ اس بیع سے 'نزاع' کے پیدا ہونے کے امکان کو ختم کیا جا سکے۔

۳۔ راقم کے خیال میں اسلامی بینکوں میں اجارہ کے بعد ہدیہ (Gift) والا معاملہ کرنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔اور اسلامی بینکوں کے شرعی ایڈوائزرز کو ہدیہ والی تجویز ختم کر دینی چاہئے اور بیع والی صورت پر ہی اصرار کرنا چاہئے تا کہ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کے اندر پائی جانے والی یہ خرابی دور ہو سکے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ أتاسی، محمد خالد، شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س۔ن، ص ۱۶

۲۔ الترمذی، (ابوعیسیٰ) محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، س۔ن، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، ۳۶۴/۱

۳۔ جامع الترمذی، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ، ۳۶۴/۱

۴۔ رفقاء دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی، مروجہ اسلامی بینکاری، مکتبہ بینات، کراچی، ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۹ء، ص ۲۴۷۔۲۴۸

۵۔ مالک بن انس، امام، مؤطا مالک، داراحیاء التراث العربی، مصر، س۔ن، کتاب البیوع، باب النھی عن بیعتین فی بیعۃ (۱۳۴۲)، ۶۶۳/۲

۶۔ صمدانی، اعجاز احمد، ڈاکٹر، مولانا، اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، ادارہ اسلامیات، لاہور۔کراچی، ۲۰۰۷ء، ص ۹۸

۷۔ ایضاً، ص ۱۳۲

۸۔ "وإذا مات احدُ المتعاقدين وقد عقد الاجارةَ لنفسه، انفسختِ الاجارةُ، لأن الأجارةَ تمليكُ المنافع بعوضٍ، والمنافعُ توجدُ ساعةً فساعةً شيأً فشيأً فلبقاء الابتداء" (کتاب الفقہ النافع، کتاب الاجارات، ص ۲۹)

9. Chapra,M.Umar and Tariqullah Khan,Regulatoin and Supervision of Islamic banks ,isdb,Jeddah,2000/1421H,p.76 part 3

۱۰۔ "نَهیٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ" آپؐ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔ (مؤطا مالک، کتاب البیوع، باب النھی عن بیعتین فی بیعۃ (۱۳۴۲)، ۶۶۳/۲)

۱۱۔ قال النبیؐ: اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَة فَمَنْ تَرَکَهَا مَا شُبِّهَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ کَانَ لِمَا اسْتَبَانَ اُتْرَکَ وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلٰی مَا یَشُکُّ فِیْهِ مِنَ الاثم اَوْشَکَ اَنْ یُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِیُ حِمَی اللّٰهِ، مَنْ یَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِكُ اَنْ یُوَاقِعَهُ (بخاری، کتاب البیوع، باب الحلال بیّن والحرام بیّن، وبینھما مشتبھات، ص:۱۶۰ (۲۰۵۱)؛ ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی ترک الشبہات، ص ۲/۱۷۷ (۱۲۰۵)

۱۲۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، تکملۃ فتح الملھم، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، ۱۴۲۲ھ، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب اخذ الحلال وترک الشبہات، ۶۲۳/۱

13. Regulation and Supervision of Islamic banks,p.77 part 3

۱۴۔ المعاییر الشرعیہ، ھیئۃ المحاسبہ والمراجعہ للمؤسسات المالیہ الاسلامیہ، بحرین، ۵۔۱۴۲۴/۴ھ۔۲۰۰۳م، ضمانات مدیونیۃ الاجارۃ و معالجتھا، ص ۱۴۹

۱۵۔ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، ص ۶۷۔۷۱

۱۶۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ، ص ۲۱

۱۷۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، غیر سودی بینکاری، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ص ۲۹۷

18. Usmani,Imran Ashraf,Dr.Islamic Banking,Darul Ishaat,Karachi,2002,p:161